دعوت و تبلیغ کا داعی

سلسلہ نمبر 155 | صفر المظفر 1447ھ | 2025 اگست

ماہ صفر

اسلامی تاریخ کے آئینے میں

ڈاکٹر مولانا نعمان نعیم

رئیس و مہتمم

الجامعۃ البنوریۃ العالمیۃ

شعبہ تصنیف و تحقیق

صفر المظفر: اسلامی تاریخ کے آئینے میں

اسلامی سال کا دوسرا مہینہ صفر المظفر ہے، اسلام کے آنے سے پہلے بھی اس مہینے کا نام صفر ہی تھا، اسلام نے اس کے نام کو برقرار رکھا۔

(اسلامی مہینوں کے احکام)

وجہ تسمیہ: لغت میں اس نام کی مختلف وجوہات ملتی ہیں، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) صفر یرقان کی بیماری کو کہتے ہیں۔

(۲) صفر کسی چیز کے ''خالی'' ہونے کو کہتے ہیں۔ اس مہینے میں مکہ کے لوگ سفر پر نکل جاتے تھے اور گھر خالی (صفر) ہو جاتے تھے، اس لیے اسے صفر کہا گیا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اس مہینے میں قبائل آپس میں جنگیں کرتے تھے اور مخالفین کے گھروں کو خالی (صفر) کر دیتے تھے۔ تاہم، یہ نام کی وجہ تسمیہ ہے، اس کا نحوست سے کوئی تعلق نہیں۔

(۳) صفر ایک سے دوسرے کو لگنے والی (متعدی) بیماری کو بھی کہتے ہیں۔ (تکملہ فتح الملہم، مرقات شرح مشکوٰۃ)

زمانہ جاہلیت اور صفر کا مہینہ: اسلام سے پہلے اس مہینے کے بارے میں کئی باتیں مشہور تھیں، مثلاً

(۱) لوگوں کا خیال تھا کہ اس مہینے میں آسمان سے بلائیں اور آفتیں نازل ہوتی

ہیں، لہٰذا وہ اس مہینے میں سفر وغیرہ نہیں کرتے تھے۔ **(مومن کے ماہ وسال)**

(۲) وہ اس مہینے کو جنگ وجدال کا مہینہ شمار کرتے تھے۔ اور جوں ہی محرم کا مہینہ ختم ہو جاتا تھا، آپس میں جنگ شروع کر دیتے تھے۔ **(تفسیر ابن کثیر)**

(۳) جب انہیں محرم کے مہینے میں، جس میں جنگ حرام تھی، جنگ کرنا ہوتی تو وہ اس مہینے کا نام بدل کر صفر رکھ لیتے تھے اور ایک مہینے کی جگہ دوسرا مہینہ قرار دینے کا اختیار انہوں نے اپنے سرداروں کے سپرد کرر کھا تھا، جو اعلان کر دیتے تھے کہ اس مرتبہ محرم کا مہینہ بعد میں آئے گا، اس کی جگہ صفر کا مہینہ پہلے آگیا ہے (وغیرہ) اس طرح کے تصورات کو ''نسیئ'' کہتے ہیں، قرآن نے اس کی مذمت فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: بلاشبہ حرمت والے مہینوں کو بدل دنیا تو کفر میں اضافہ کر لینا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مہینوں کی جو ترتیب مقرر فرمائی ان میں اور بالخصوص جن مہینوں کو احترام بخشا، ان کی ترتیب کو تبدیل کرنا یا ان میں معصیت و نافرمانی والے امور کا مرتکب ہونا، یہ اپنی جانوں پر ظلم کر کے نقصان اٹھانے کے مترادف ہے۔ عرب میں زمانہ قدیم سے معمول چلا آتا تھا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے اَشْہُرِ حُرُم (خاص ادب واحترام کے مہینے) ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ ان میں خوں ریزی، جدال و قتال قطعاً بند کر دیا جاتا تھا، حج وغیرہ اور تجارت و کاروبار کے لیے امن وامان کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ اس زمانے میں کوئی شخص اپنے باپ کے قاتل سے بھی چھیڑ چھاڑ نہ کرتا تھا، بلکہ بعض علما نے لکھا ہے کہ اصل

ملتِ ابراہیمی میں یہ چار ماہ اَشْہُرِ حُرُم قرار دیے گئے تھے۔ اسلام سے ایک مدت پہلے جب عرب کی جہالت حد سے بڑھ گئی اور باہمی جدال و قتال میں بعض قبائل کی بدمعاشی اور درندگی وانتقام کا جذبہ کسی آسمانی یا زمینی قانون کا پابند نہ رہا تو "نسیئ" کی رسم نکالی یعنی جب کسی زور آور قبیلہ کا ارادہ محرم میں جنگ کرنے کا ہوا تو ایک سردار نے اعلان کر دیا کہ امسال ہم نے محرم کو اَشْہُرِ حُرُم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام قرار دے دیا، پھر اگلے سال کہہ دیا اس مرتبہ حسب دستورِ قدیم محرم حرام اور صفر حلال رہے گا۔

اس کے علاوہ بھی صفر کے بارے میں وہ کئی توہمات کا شکار تھے۔خلاصہ یہ کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ صفر کو منحوس سمجھتے تھے اور اس میں سفر، شادی بیاہ، یا دیگر اہم کاموں سے گریز کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس مہینے میں بلائیں اور آفات نازل ہوتی ہیں۔

صفر منحوس مہینہ نہیں: اسلام نے اس تصور کو مکمل طور پر رد کر دیا ہے۔ قرآن کریم اور سنتِ نبوی ﷺ نے یہ واضح کیا ہے کہ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور ہر چیز اس کے حکم سے ہوتی ہے۔ کسی بھی چیز کو منحوس سمجھنا اللہ تعالیٰ پر توکل کی کمی اور شرک کے قریب ہے۔ مسلمان کا عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کی تقدیر سے ہوتا ہے، اسلام میں کسی بھی مہینے، دن یا وقت کو منحوس قرار نہیں دیا گیا۔ تمام اوقات اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں اور کوئی بھی وقت بذاتِ خود منحوس نہیں ہوتا، نحوست کا تعلق انسان کے اعمال و عقائد سے ہے، نہ کہ کسی خاص مہینے یا دن سے۔ اگر انسان اللہ

تعالیٰ کی اطاعت کرے اور اس کے احکامات پر عمل کرے تو اس کے لیے ہر وقت، ہر دن اور ہر مہینہ بابرکت ہے اور اگر وہ نافرمانی کرے تو اس کے لیے ہر وقت، ہر دن اور ہر مہینہ نحوست کا باعث بن سکتا ہے۔

متعدد احادیث میں سرور کونین ﷺ نے اس بات کی نفی واضح طور پر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی چیز میں فی نفسہٖ کوئی نحوست نہیں ہوتی۔ چنانچہ حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی بھی چیز میں کوئی نحوست نہیں۔ گھر، عورت، سواری (جس کو لوگ منحوس سمجھتے ہیں) ان سے بھی برکت ہوتی ہے۔ **(ترمذی)**

اسی طرح حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی شخص نے کہا کہ مجھے اپنی باندی منحوس لگتی ہے اور کئی لوگوں سے میں نے سنا کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے یہ بات سنی کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہے تو وہ گھر، عورت اور سواری میں ہے۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نہایت شدت سے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے کبھی بھی نحوست کا وجود گھر، عورت اور سواری میں نہیں بتایا۔ **(ابن جریر بحوالہ ماثبت بالسنۃ)**

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ ان تین چیزوں (گھر، عورت اور سواری) کو منحوس سمجھتے تھے۔ **(مستدرک حاکم، مومن کے ماہ وسال صفحہ 62تا64)**

علامہ عبدالحق محدث دہلویؒ اس موضوع پر متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”خلاصہ یہ کہ نحوست کوئی چیز نہیں ہے“

مزید فرماتے ہیں: ''اس سے مزید ثابت ہوا کہ نحوست اور بُرے شگون کا رسالت مآب انے انکار فرمایا ہے'' (ماثبت بالسنۃ)

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ کسی چیز میں اس کی ذات کے اعتبار سے کوئی نحوست نہیں ہے۔اب آیئے چند ان احادیث پر نظر ڈالیں، جن سے بالخصوص صفر کے مہینے کے منحوس ہونے کی نفی معلوم ہوتی ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ماہِ صفر میں بیماری، نحوست اور بھوت پریت وغیرہ کا کوئی نزول نہیں ہوتا۔ (مسلم شریف)

اللہ کے حکم کے بغیر ایک کا مرض دوسرے کو نہیں لگتا اور صفر میں کوئی نحوست نہیں اور بھوت پریت (غول بیابانی) میں اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو نقصان پہنچانے کی صلاحیت نہیں ہے۔

امام بخاریؒ نقل کرتے ہیں: ماہ صفر میں بیماری، بدشگونی و نحوست، شیطان جنات کی گرفت کے اثرات کی کوئی حقیقت نہیں۔معروف محدث علامہ طیبیؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''صفر وہی مشہور مہینہ ہے، جس کے بارے میں اہل جاہلیت کا خیال تھا کہ اس میں مصیبتوں اور فتنوں کا کثرت سے نزول ہوتا ہے۔ اس لیے حضور انے لَاعَدْوٰی وَلَاصَفَرَ وَلَاغَوْلَ (الحدیث) فرما کر اس کی نفی فرمادی''۔ (شرح الطیبیؒ جلد 8 صفحہ 316)

حاصل یہ کہ صفر کے مہینے میں بھی سال کے باقی گیارہ مہینوں کی طرح کوئی نحوست نہیں ہے اور جس طرح سال کے کسی بھی مہینے میں نکاح کرنے کی

کوئی ممانعت نہیں، اسی طرح اس مہینے میں بھی نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

صفر اور تبرکات کا تصور: اسلام متبرک چیزوں سے تبرکات کے حصول کی ممانعت نہیں کرتا ،تاہم تبرکات کا حصول صرف ان چیزوں سے جائز ہے، جنہیں شریعت نے بابرکت قرار دیا ہو، جیسے قرآن کریم، نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ، کعبہ شریف، زمزم کا پانی وغیرہ۔چونکہ ایسے کسی تبرک کا صفر کے ساتھ ،اسلام کی رو سے ، کوئی تعلق نہیں، لہٰذا صفر کے مہینے میں کسی خاص تبرک کا تصور یا کسی خاص دن کو بابرکت سمجھ کر کوئی خاص عمل کرنا، جیسے: صفر کے آخری بدھ کو چھٹی منانا یا خاص قسم کے کھانے پکانااور تقسیم کرنے کااہتمام کرنا بدعات اور خرافات میں شامل ہیں، یہ اعمال نہ تو قرآن و سنت سے ثابت ہیں اور نہ ہی صحابہ کرامؓ یا سلف صالحین کے عمل سے۔

خلاصہ یہ کہ صفر کے مہینے کو متبرک سمجھنا بھی اسلام کی رو سے درست نہیں اور اس مہینے کو منحوس سمجھنا بھی اسلام کی رو سے درست نہیں ،نہ اس مہینے میں کسی قسم کا کوئی اہتمام ثابت ہے۔بد قسمتی سے اب بھی صفر کی آمد کے ساتھ ہی بعض حلقوں میں توہمات اور بدشگونیوں کا ذکر دیکھنے میں آتاہے۔ صفر کے مہینے کو نحوست، آفات اور بلاؤں سے منسوب کیا جاتا ہے، اس مہینے میں شادی بیاہ، سفر، کاروبار اور دیگر اہم کاموں سے گریز کیا جاتا ہے۔ یہ تصورات اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہیں، جو ہر قسم کی بدشگونی اور توہم پرستی کی نفی کرتی ہیں۔

صفر اور جاہل عوام کے توہمات: عوام میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ اس مہینے میں لولے، لنگڑے اور اندھے جنات بڑی کثرت سے آسمان سے اترتے ہیں اور لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔اسی وجہ سے بعض لوگ اس مہینے میں صندوقوں، اور در ودیوار کو ڈنڈے مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح ہم ان ضرر رساں جنات کو بھگارہے ہیں۔ اسی بنا پر بالخصوص خواتین اپنے چھوٹے بچوں کے معاملے میں بہت محتاط اور خوف زدہ رہتی ہیں کہ کہیں یہ جنات انہیں نقصان نہ پہنچادیں۔ بعض علاقوں میں صفر کے مہینے کے اختتام پر خواتین مکڑی کے جالے صاف کرتے ہوئے کہتی ہیں: ''اے صفر! دور ہو جا''۔ان تمام باتوں کی بنیاد اس مہینے میں بکثرت جنات کے زمین پر اترنے اور لوگوں کو نقصان پہنچانے کے نظریے پر ہے، جس کی کوئی اصل نہیں۔

صفر کاآخری بدھ: عوام میں مشہور ہے کہ صفر کے آخری بدھ کو حضور اکرمﷺ کی بیماری میں افاقہ ہو گیا تھا اور آپ انے غسل صحت فرمایا تھا، پھر تفریح کے لیے گھر سے باہر تشریف لے گئے تھے، اسی بنا پر لوگوں میں مختلف رسمیں مشہور ہیں:

بعض خواتین گھی، چینی یا گڑ کی روٹیاں پکا کر تقسیم کرتی ہیں اور جواز یہ پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرمﷺ کی صحت یابی کی خوشی میں یہ عمل کیا تھا۔

بعض لوگ اس بدھ کو اہتمام سے سیر و تفریح کے لیے باغات اور پارکوں میں جاتے ہیں اور جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ اس روز آپ اپنی صحت یابی کی

خوشی میں حضورا نے تفریح فرمائی تھی۔

بعض لوگ پکے ہوئے چھولے اور عمدہ قسم کے کھانے پکا کر تقسیم کرتے ہیں اور جواز یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ہم حضور رسالت پناہ ا کی صحت یابی کی خوشی میں یہ عمل کرتے ہیں۔ بعض تعلیمی اداروں میں اس روز چھٹی کی جاتی ہے۔ بعض علاقوں میں باقاعدہ تہوار منایا جاتا ہے۔ مزدور اور کاریگر اپنے مالکان سے اس دن کھانے اور مٹھائی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان تمام رسومات کی بنیاد یہ غلط اعتقاد ہے کہ حضور اکرم ا صفر کے آخری بدھ کو صحت یاب ہوئے تھے، جیسا کہ ایک شعر بھی معروف ہے ۔

آخری چہار شنبہ آیا ہے، غسلِ صحت نبی ا نے فرمایا ہے

حالانکہ صفر کے آخری بدھ کو حضور اکرم ا کی بیماری میں افاقہ نہیں، بلکہ اس کا آغاز ہوا تھا اور اسی بیماری میں آپ ا نے دنیا سے پردہ فرمایا تھا، ذیل میں اس سلسلے میں چند نا قابلِ تردید حوالہ جات نقل کیے جاتے ہیں:

مؤرخ اسلام محمد بن سعدؒ لکھتے ہیں: "28 صفر بروز بدھ کو رسول ا کے مرض کا آغاز ہوا"۔ **(طبقات ابن سعدؒ صفحہ 206)**

فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: "آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں بلکہ اس دن میں رسول اللہ ا کو شدّتِ مرض واقع ہوئی تھی، تو یہودیوں نے خوشی کی تھی، وہ اب جاہل ہندوؤں (اور اب مسلمانوں میں بھی۔ از ناقل) رائج ہو گئی" **(فتاویٰ رشیدیہ صفحہ 15)**

مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی فرماتے ہیں: "آخری چہار شنبہ کی کوئی

اصل نہیں، نہ اس دن رسول اللہ ا کی صحت یابی کا کوئی ثبوت ہے، بلکہ مرضِ اقدس جس میں وفات ہوئی، اس کی ابتدا اس دن سے بتائی جاتی ہے"۔

(احکام شریعت جلد 3 صفحہ 183)

مفتی امجد علی صاحب لکھتے ہیں: "ان دنوں میں رسول اللہ ا کا مرض شدت کے ساتھ تھا، لوگوں کو جو باتیں بتائی جاتی ہیں سب خلافِ واقعہ ہیں"۔

(بہار شریعت جلد 6 صفحہ 242)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں: "مسلمانوں کا اس دن خوشی منانا اور اس دن مٹھائی تقسیم کرنا اگرچہ رسول اللہ ا کے شدتِ مرض کی خوشی میں یا یہود کی موافقت کرنے کی نیت سے نہ ہو، لیکن بہر حال یہ طریقہ غلط ہے، اس سے بچنا لازم ہے"۔ **(فتاویٰ محمودیہ جلد 15 صفحہ 412)**

ان حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوئی کہ صفر کے آخری بدھ کو سرکار دو عالم ا کے مرض الوفات کا آغاز اور اس میں شدت واقع ہوئی تھی۔ یہود نے اس دن خوشیاں منائی تھیں، ان سے یہ تہوار ہندوؤں کی طرف منتقل ہوا۔ پھر مسلمانوں کو یہ مغالطہ دیا گیا کہ اس دن حضور اکرم ا صحت یاب ہوئے تھے۔ آپ ا نے غسلِ صحت فرمایا تھا اور مدینہ منورہ سے باہر تفریح کی غرض سے تشریف لے گئے تھے۔ افسوس کہ اسلامی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے مسلمان بلا تحقیق باطل کے اس حربے میں آگئے اور اپنے محبوب نبی ا کی شدتِ مرض کے دن کو تہوار کے طور پر منانے لگے۔ اللّٰھم احفظنا منه!

صفر اور شادی بیاہ:

عوام کی ایک بڑی تعداد اس مہینے میں شادی بیاہ کو ممنوع سمجھتی ہے اور مشہور ہے کہ: ''جو شادی صفر میں ہو گی وہ صِفر ثابت ہو گی''، لہٰذا لوگ اس مہینے میں شادی سے انتہائی گریز کرتے ہیں اور پہلے سے طے شدہ تاریخوں تک کو محض صفر کی وجہ سے تبدیل کردیتے ہیں اسی طرح خوشی کی دوسری کوئی تقریب بھی منعقد کرنے سے قصداً گریز کیا جاتا ہے۔اس کی بنیادی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ صفر کا مہینہ (نعوذ باللہ) نامبارک اور منحوس ہے، لہٰذا اس میں کیا جانے والا کام بھی نامبارک و منحوس ثابت ہو گا۔ یہ اعتقاد سراسر غلط اور خلافِ شریعت و سنت ہے۔سال کے بارہ مہینوں میں سے کوئی مہینہ بھی منحوس نہیں ہے۔

اسلامی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ بات پیدا ہو گئی ہے کہ وہ محرم کے مہینے میں اس لیے نکاح وغیرہ نہیں کرتے کہ اس میں واقعہ کربلا ہوا تھا اور ماہ صفر میں اس لیے نکاح نہیں کرتے کہ اس مہینے میں ہونے والے نکاح نامبارک و منحوس ثابت ہوتے ہیں۔ شریعت ان دونوں مہینوں میں نکاح پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتی۔ کسی کی وفات پر شریعت صرف تین دن سوگ منانے کی اجازت دیتی ہے، البتہ بیوی اپنے شوہر کی وفات پر 4 ماہ 10 دن سوگ منائے گی۔ شریعت نے سال بھر کے ہر دن اور ہر مہینے میں نکاح اور شادی بیاہ کو جائز رکھا ہے، اور کسی مہینے یا دن میں ان امور کی ممانعت نہیں فرمائی۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں: اگر محرم اور صفر کے مہینے میں اس نیت سے نکاح کیا جائے کہ لوگوں میں رائج غلط فہمی کی تردید ہو، تو مستحسن اور انشاء اللہ

زیادہ اجر و ثواب کا حامل ہو گا (اسلامی مہینوں کے احکام)۔

حضرت علیؓ کا حضرت فاطمہ الزہراؓ سے نکاح:

اس مہینے میں شادی بیاہ کو منحوس سمجھنے والوں کی خدمت میں کائنات کی ایک انتہائی بابرکت ترین شادی کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جس سے زیادہ بابرکت شادی کوئی اور شاید ہی ہو۔ یہ شادی صفر المظفر میں ہوئی ہے اور اس تاریخ اور مہینے کی تعیین اصدق الصادقین رحمت للعالمین ﷺ نے فرمایا ہے:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح اسلامی تاریخ کا ایک انتہائی بابرکت اور اہم واقعہ ہے۔ یہ نکاح ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا، اس کی تاریخ کے بارے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں، جن میں سے بعض میں صفر کا مہینہ بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی عنہا کی رخصتی کے ساڑھے چار ماہ بعد، حضرت فاطمہ کا نکاح کیا اور نکاح کے ساڑھے نو ماہ بعد ان کی رخصتی کی ہے، اور حضرت عائشہ رضی عنہا کی رخصتی ہجرت کے پہلے سال شوال کے مہینے میں ہوئی، اور اس کے ساڑھے چار ماہ بعد کا مطلب ہے کہ صفر میں حضرت فاطمہ رضی تعالیٰ عنہا کا نکاح ہوا، اور اس کے ساڑھے نو ماہ بعد رخصتی کا مطلب یہ ہوا کہ سن 2 ہجری ذی القعدہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی ہوئی۔

یہ نکاح اسلامی تاریخ میں کئی حوالوں سے اہمیت کا حامل ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی تمام اولاد نرینہ کی وفات بالکل بچپن ہی میں ہو گئی تھی۔ چاروں

بیٹیوں میں سے بھی تین کی وفات آپ ﷺ کے سامنے ہی ہو گئی تھی۔ صرف حضرت فاطمہؓ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ہوئی۔ اس لیے آخر میں تو رسول اکرم ﷺ کی توجہات و محبت کا مرکز فطری طور پر وہی بن گئی تھیں۔ لیکن یوں بھی وہ حضور ﷺ کی بہت ہی چہیتی بیٹی تھیں اور تا عمر حضور ﷺ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کو بھی اپنے والد گرامی کی خدمت کرنے اور دکھ درد بانٹنے کا سب سے زیادہ موقع ملا۔ اس اعتبار سے یہ نکاح نبی کریم ﷺ کی سب سے پیاری بیٹی اور آپ ﷺ کے چچازاد بھائی کے درمیان ہوا، جو اسلام کے دو عظیم ستون تھے۔ دوسرا یہ کہ اس نکاح سے نبی کریم ﷺ کی نسل چلی اور اہل بیت کی پاکیزہ شاخ آگے بڑھی۔ یہ نکاح اسلامی شادی کی سادگی اور تقویٰ کی بہترین مثال پیش کرتا ہے۔ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کے درمیان گہرے تعلقات اور محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس نکاح میں مال و دولت کی بجائے دین داری اور اخلاق کو ترجیح دی گئی۔ (الرحیق المختوم، صفحہ 256)

جب حضرت علیؓ نے نبی کریم ﷺ سے حضرت فاطمہؓ کے لیے پیغام نکاح بھیجا تو نبی اکرم ﷺ نے اس رشتے کو قبول فرمایا۔ امام الانبیاء اپنے منبر اقدس کے پاس تشریف فرما تھے۔ یہاں سب لوگوں کے جمع ہو جانے پر آپ نے منبر اقدس پر جلوہ افروز ہو کر اللہ پاک کی حمد و ثناء کی اور ارشاد فرمایا۔ اے مسلمانو! ابھی ابھی حضرت جبرائیل امینؑ میرے پاس آئے اور یہ خبر دی کہ اللہ پاک نے بیت المعمور کے پاس ملائکہ کو گواہ بنا کر میری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا نکاح سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ سے کر دیا ہے۔ اور مجھے بھی حکم فرمایا ہے

کہ میں زمین پر انکا نکاح کردوں میں تم سب کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح علی المرتضیٰؓ سے کردیا ہے۔ پھر آقا منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔

حضرت علی المرتضیٰ شیر خداؓ فرماتے ہیں کہ نکاح کا معاملہ طے پا جانے پر پھر ہیں ایک مہینہ شرم وحیا کے باعث آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ نکاح کے بعد سیدۃ النسا حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی رخصتی ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ نکاح سادگی، تقویٰ، اور اسلامی اقدار کی بہترین مثال ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہراؓ کو آراستہ کرنے کا حکم دیا اور حضرت سیدتنا ام سلمہؓ کے پاس رکھے ہوئے درہم میں سے دس درہم حضرت علیؓ کو دیے اور ارشاد فرمایا ان سے کھجور گھی اور پنیر خرید لو آپ یہ تین چیزیں خرید کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے آپ نے چمڑے کا ایک دستر خوان منگوایا اور آستینیں چڑھا کر کھجوروں کو گھی میں مسلنے لگے اور پھر پنیر کے ساتھ اس طرح ملایا کہ وہ حلوہ بن گیا پھر ارشاد فرمایا اے علیؓ ! جسے چاہو بلالاؤ۔ آپؓ مسجد میں گئے اور صحابہ کرامؓ سے کہا: آپ کی دعوت قبول کریں، سب لوگ اٹھ کر چل دیے، حضرت علیؓ نے آپ کی بارگاہ اقدس میں عرض کی: لوگ بہت ہیں۔ آپ ﷺ نے چمڑے کے دستر خوان کو ایک رومال سے ڈھانک دیا اور ارشاد فرمایا: دس دس افراد کو داخل کرتے جاؤ میں نے ایسا ہی کیا صحابہ کرامؓ کھا کر نکلتے گئے، لیکن کھانے میں بالکل کمی نہ ہوئی یہاں تک کہ آپ کی برکت سے وہ حلوہ سات سو افراد نے کھایا۔

حق مہر کے طور پر حضرت علیؓ نے اپنی زرہ فروخت کی اور اس کی رقم سے

حضرت فاطمہؓ کے لیے ضروری سامان خریدا گیا۔ جس کی تفصیل حضرت علیؓ نے یوں بیان فرمائی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کی شادی کی تو ان کے ساتھ ایک بڑی چادر اور ایک چمڑے کا تکیہ، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ایک چکی اور ایک مشکیزہ اور دو گھڑے بھیجے۔

(ابن ماجہ ص ۱۳۹، باب الولیمہ)

نکاح کے وقت مشہور روایت کے مطابق حضرت فاطمہؓ کی عمر پندرہ سال پانچ ماہ اور حضرت علیؓ کی عمر اکیس برس کی تھی۔ نکاح انتہائی سادگی سے مسجد نبوی میں ہوا اور ولیمہ بھی سادہ تھا۔

حضرت فاطمہؓ نے اپنے شوہر حضرت علیؓ کو اپنی وفات سے قبل یہ وصیت کی تھی کہ آپ امامہؓ سے شادی کر لیجیے گا۔ چنانچہ جب حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت امامہؓ (امامہ حضرت فاطمہؓ کی بھانجی اور حضرت زینبؓ کی صاحبزادی ہیں) بڑی ہو گئیں تو ان کے ساتھ حضرت علیؓ نے شادی کر لی۔

(اسد الغابہ ج ۵ س ۴۰۰)

حضرت فاطمہؓ کے بطن سے تین صاحبزادے حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت محسنؓ اور صاحبزادیاں حضرت زینبؓ اور حضرت رقیہؓ پیدا ہوئیں۔ حضرت محسنؓ بچپن میں وفات پا گئے، بقیہ دو بیٹے اور دو بیٹیاں حضرت فاطمہؓ کی وفات کے وقت تھے اور حضرات حسنینؓ ہی کے ذریعے ان کے محترم نانا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلۂ نسب چلا۔

حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہراؓ کو تشویش تھی کہ عمر بھر تو غیر کی نظروں سے

خود کو بچائے رکھا ہے اب کہیں بعد وفات میری کفن پوش لاش ہی پر لوگوں کی نظر نہ پڑ جائے ایک موقع پر حضرت سیدہ اسماء بنت عمیسؓ نے کہا میں نے حبشہ میں دیکھا کہ جنازے پر درخت کی شاخیں باندھ کر ایک ڈولی کی صورت بنا کر اس پر پردہ ڈال دیتے ہیں پھر انہوں نے کھجور کی شاخیں منگوا کر انہیں جوڑ کر اس پر کپڑا تان کر سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو دکھایا آپؓ بہت خوش ہوئیں اور لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔ بس یہی ایک مسکراہٹ تھی جو سرکار مدینہ کے وصال ظاہری کے بعد دیکھی گئی۔

آپؓ حضور نبی کریم کی وفات سے چھ ماہ بعد 3 رمضان المبارک منگل 11 ہجری دن کے وقت اٹھائیس سال کی عمر میں دارِ فانی سے دارِ بقا کوچ فرما گئیں،آپ کی تدفین مدینۃ المنورہ کے قبرستان جنت البقیع میں رات کو ہوئی۔

صفر اور شہدائے کربلا کا چہلم: کربلا کا دل دوز واقعہ دس محرم کو پیش آیا۔ اس واقعے میں نواسۂ رسول احضرت سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما سمیت اہل بیت کی ایک بڑی تعداد اور متعدد عظیم ہستیاں شہید ہوئیں۔ایک مخصوص طبقہ محرم کو شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی آڑ میں غم کے مہینے کے طور پر مناتا ہے اور یہی طبقہ ۲۰ صفر المظفر کو چہلم حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ و شہدائے کربلا کے نام سے جلسے، جلوس کرتا اور عام شاہراہوں کو ٹریفک کے لیے بند کرادیتا ہے۔ شریعت اسلام میں نہ تو شہادت کوئی مصیبت ہے جس کا غم منایا جائے اور نہ ہی سوئم، چہلم اور برسی وغیرہ مروجہ بدعات کی کوئی گنجائش ہے۔ تمام

اہلسنت مکاتبِ فکر کے مفتیانِ کرام نے سوئم، چہلم اور برسی وغیرہ کو بدعت لکھا ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ (تفصیلات کے لیے فتاویٰ بزاریہ فتاویٰ شامی، فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ اہل حدیث سمیت فقہ و فتاویٰ کی کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں)

حضور اکرم ا نے ہر بدعت کو گمراہی اور اللہ کی ناراضی کا باعث قرار دیا ہے۔ اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ ہر قسم کی بدعات بالخصوص سوئم، چہلم اور برسی وغیرہ کے مروّجہ طریقوں سے بچنے کی پوری کوشش کریں، کیوں کہ وہ خلافِ سنت اور بدعت میں شمار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین!

صفر میں پیش آنے والے دیگر اہم تاریخی واقعات

صفر کا مہینہ اسلامی تاریخ میں کئی اہم واقعات کا گواہ رہا ہے، جو اس مہینے کی برکت اور اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ یہ واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ مہینہ کسی بھی طرح منحوس نہیں، بلکہ دیگر مہینوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا مظہر ہے۔ ذیل میں صفر میں پیش آنے والے چند اہم تاریخی واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے:

فتحِ خیبر (صفر 7 ہجری):

خیبر مدینہ منورہ سے تقریباً 150 کلومیٹر شمال میں واقع ایک زرخیز علاقہ تھا جہاں یہودی آباد تھے اور ان کے مضبوط قلعے تھے۔ یہ یہودی قبیلے ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں ملوث رہتے تھے اور غزوہ احزاب (خندق)

میں بھی انہوں نے مشرکینِ مکہ کی مدد کی تھی۔ ان کی مسلسل ریشہ دوانیوں اور عہد شکنیوں کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ان کے خلاف کارروائی کا فیصلہ فرمایا۔

اس جنگ کا پس منظر یہ ہے کہ : خیبر کے یہودی مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔انہوں نے غطفان اور دیگر عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا۔ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کو اندرونی خطرات سے نمٹنے کا موقع ملاتو نبی اکرم ﷺ نے اس جانب توجہ فرمائی اور نبی کریم ﷺ 1600 صحابہ کرامؓ کے لشکر کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔آپ ﷺ نے خیبر پہنچ کر قلعوں کا محاصرہ کرلیا۔یہ محاصرہ کئی دنوں تک جاری رہا۔ ہر روز ایک صحابی کو علم دیا جاتا، کئی قلعے فتح ہوئے ، مگرایک قلعہ قموص فتح نہ ہوسکا۔ایک دن نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کل میں علم ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں، وہ حملہ آور ہو گا اور بھاگے گا نہیں، اللہ اس کے ہاتھ پر فتح دے گا۔اگلے دن نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا، جو آشوبِ چشم کی بیماری میں مبتلا تھے۔آپ ﷺ نے اپنا لعابِ دہن اُن کی آنکھوں پر لگایا تو وہ فوراً ٹھیک ہو گئیں۔اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو علم عطا فرمایا اور انہیں خیبر کے قلعوں کی طرف روانہ کیا۔حضرت علیؓ نے شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے اور قلعہ قموص کا دروازہ اکھاڑ پھینکا، جسے بعد میں کئی افراد مل کر بھی نہ اٹھا سکے۔آپؓ نے مرحب

سمیت یہودیوں کے بڑے بڑے پہلوانوں کو شکست دی اور بالآخر قلعہ فتح ہو گیا۔ یوں خیبر کے تمام قلعے فتح ہو گئے اور یہودی مسلمانوں کے تابع ہو گئے۔ اس فتح کے نتیجے میں مسلمانوں کو کثیر مالِ غنیمت حاصل ہوا، جس سے مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی پیش رفت یہ ہوئی کہ مدینہ منورہ کے گرد یہودی خطرہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ یہ فتح قرآن کریم میں ”فتحِ قریب“ (قریبی فتح) سے تعبیر کی گئی ہے۔

فتحِ خیبر اسلامی تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے، جو صفر 7 ہجری میں پیش آیا۔ یہ جنگ مسلمانوں اور خیبر کے یہودیوں کے درمیان لڑی گئی، جس میں مسلمانوں کو شاندار فتح نصیب ہوئی۔ یہ فتح نہ صرف مسلمانوں کی عسکری قوت کا مظہر تھی بلکہ اس نے مدینہ منورہ کے گرد یہودی خطرے کو بھی ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

(صحیح بخاری، حدیث، 4210۔ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، جلد 4، صفحہ 201-230)

غزوۂ ودان (صفر 2 ہجری):

ودان مدینہ منورہ سے تقریباً 200 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ایک مقام ہے، جو مکہ کے تجارتی قافلوں کے راستے میں پڑتا تھا۔ ہجرت کے بعد قریشِ مکہ کی طرف سے مسلمانوں کو مسلسل خطرات لاحق تھے اور وہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ اس صورت حال میں نبی کریم ﷺ نے دفاعی حکمت عملی کے تحت قریش کے تجارتی راستوں پر نظر رکھنے کا فیصلہ فرمایا تاکہ ان کی نقل و حرکت اور عزائم سے باخبر رہا جا سکے۔ غزوۂ ودان، جسے غزوۂ

ابواء بھی کہا جاتا ہے، اسلامی تاریخ کا پہلا غزوہ ہے، جو صفر 2 ہجری میں پیش آیا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں مسلمانوں کا ایک اہم عسکری اقدام تھا، جس کا مقصد قریشِ مکہ کے تجارتی راستوں کی نگرانی کرنا اور ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھنا تھا۔

اس جنگ کا پس منظر یہ ہے کہ: ہجرت کے بعد قریشِ مکہ کی مسلمانوں کے خلاف عداوت میں اضافہ ہو گیا تھا اور چونکہ قریش کے تجارتی قافلے مدینہ کے قریب سے گزرتے تھے، جو مسلمانوں کے لیے خطرہ بن سکتے تھے، اس لیے مسلمانوں کی دفاعی پوزیشن کو مضبوط کرنا اور قریش پر دباؤ ڈالنا ضروری تھا۔ صفر 2 ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود 70 صحابہ کرامؓ کے ساتھ ودان کی طرف کوچ فرمایا۔ اس غزوہ میں کوئی جنگ نہیں ہوئی، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو ضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو ضمری کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ اس معاہدے کے تحت دونوں فریقوں نے ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے اور ایک دوسرے کے دشمنوں کی مدد نہ کرنے کا عہد کیا۔

اس غزوہ نے مسلمانوں کی عسکری قوت اور موجودگی کا احساس دلایا۔ قریش کے تجارتی راستوں پر مسلمانوں کی نظر رکھنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوا۔ بنو ضمرہ کے ساتھ معاہدے کے نتیجے میں مسلمانوں کو ایک مقامی قبیلے کی حمایت حاصل ہوئی اور ان کے لیے ایک محفوظ راستہ فراہم ہوا۔ یہ غزوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دفاعی حکمت عملی اور دور اندیشی کا مظہر ہے۔

یہ غزوہ اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کے

بجائے امن اور معاہدات کو ترجیح دی، جہاں تک ممکن ہو سکا البتہ جہاں جنگ ناگزیر ہوئی وہاں آپ ﷺ اپنے جاں نثار صحابہ کرامؓ کو لے کر میدان میں نکلے اور کفار کو ناکوں چنے چبوائے۔

(سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 244، زاد المعاد، جلد 3، صفحہ 160)

بئر معونہ کا المناک واقعہ:

بئر معونہ کا المناک واقعہ صفر 4 ہجری میں پیش آیا، جب نبی کریم ﷺ کے بھیجے ہوئے ستر قرائے کرام صحابہؓ کو غداری سے شہید کر دیا گیا۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ : نجد کے علاقے سے عامر بن مالک، جو ابو براء کے نام سے مشہور تھا، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ،اسلام کی دعوت سنی،اگرچہ اس نے اسلام تو قبول نہ کیا، لیکن نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ کچھ صحابہ کرامؓ کو اہل نجد کی طرف بھیجیں ،جو انہیں اسلام کی تعلیم دیں۔ نبی کریم ﷺ کو اہل نجد کی طرف سے غداری کا خدشہ تھا، لیکن ابو براء نے ان صحابہ کرامؓ کی حفاظت کی ضمانت دی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ستر قراء صحابہ کرامؓ کو نجد کی طرف روانہ کیا۔یہ صحابہ کرامؓ قرآن کے حافظ اور دین کے عالم تھے، جن کا مقصد اہل نجد کو اسلام کی تعلیم دینا تھا۔جب یہ صحابہ کرامؓ بئر معونہ کے مقام پر پہنچے تو عامر بن طفیل نے ،جو ابو براء کا بھتیجا تھا اور اسلام کا سخت دشمن تھا، بنو سلیم کے قبائل (عصیہ، رعل، ذکوان) کو اکٹھا کیا اور ان صحابہ کرامؓ پر حملہ کر دیا۔ہر چند کہ صحابہ کرامؓ نے بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن وہ تعداد میں بہت کم تھے اور غداری کا شکار ہوئے تھے،اس لیے

بالآخر تمام ستر قراء صحابہ کرامؓ جام شہادت نوش کر گئے، سوائے دو صحابہ کرامؓ کے، ایک کعب بن زیدؓ، جو زخمی حالت میں بچ گئے تھے اور دوسرے عمرو بن امیہ ضمریؓ، جو قیدی بنا لیے گئے اور بعد میں رہا ہوئے۔

نبی کریم ﷺ کو جب اس واقعے کی خبر ملی تو آپ ﷺ کو شدید صدمہ پہنچا۔ آپ ﷺ نے ایک ماہ تک نمازِ فجر میں قنوتِ نازلہ پڑھی اور ان غدار قبائل کے لیے بددعا فرمائی۔

(صحیح مسلم، حدیث 677)

یہ واقعہ اسلامی تاریخ کے انتہائی دل خراش واقعات میں سے ایک ہے، جس نے نبی کریم ﷺ کو شدید رنجیدہ کیا۔ ساتھ ہی یہ واقعہ علمِ دین اور علما کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتا ہے۔

لشکرِ اسامہؓ کی روانگی:

لشکرِ اسامہؓ کی روانگی نبی کریم ﷺ کی زندگی کے آخری ایام کا ایک انتہائی اہم واقعہ ہے، جو صفر 11 ہجری میں پیش آیا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی شدید بیماری کے باوجود اس لشکر کی روانگی پر خصوصی زور دیا، جس کی قیادت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو سونپی گئی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ: غزوۂ موتہ میں رومیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا تھا اور حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ شہید ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے رومیوں کی سرکوبی اور اسلامی سرحدوں کے تحفظ کے لیے ایک لشکر تیار کرنے کا حکم دیا، جس کی

قیادت حضرت زید بن حارثہؓ کے بیٹے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سونپی گئی، جبکہ اس لشکر میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر کبار صحابہ کرامؓ شامل تھے۔ بعض صحابہ کرامؓ نے حضرت اسامہؓ کی کم عمری پر اعتراض کیا، لیکن نبی کریم ﷺ نے قبول نہ فرمایا۔ نبی کریم ﷺ کی بیماری شدت اختیار کرتی جا رہی تھی، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے بار بار لشکر کی روانگی کا حکم دیا، تاکہ رومیوں کو یہ پیغام ملے کہ مسلمان کمزور نہیں ہوئے ہیں۔

(البدایہ والنہایہ، جلد 5، صفحہ 235-240)

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے جانشین، یارِ غار ومزار افضل الصحابہؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خلیفہ بننے کے بعد سب سے پہلا کام لشکرِ اسامہؓ کو روانہ کرنے کا کیا۔ اس لشکر نے کامیابی سے اپنی مہم مکمل کی اور رومیوں کو شکست دی۔ اس سے اسلامی ریاست کی مضبوطی اور مسلمانوں کے عزم و استقلال کا اظہار ہوا۔ یہ واقعہ آپ ﷺ کی دور اندیشی اور اسلامی ریاست کے دفاع کے لیے حکمت عملی کا مظہر اور اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے وصال سے قبل ہی اسلامی ریاست کے دفاع اور استحکام کے لیے ٹھوس اقدامات کر لیے تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت:

حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت صفر 50 ھ میں ہوئی۔ آپؓ 15 رمضان 3 ھ کی شب کو مدینہ منورہ میں صحنِ علی المرتضیٰؓ و خاتون جنت حضرت فاطمہ زہراؓ میں تشریف لائے۔ نبی اکرم ﷺ کے لیے یہ

ولادت بہت بڑی خوشی کا مقام تھی، کیونکہ جب مکہ مکرمہ میں رسول کریم ﷺ کے بیٹے یکے بعد دیگرے رحلت فرماتے رہے تو مشرکین طعنے دینے لگے تھے کہ ان کی نسل منقطع ہو گئی ہے، اب ان کا نام ونشان بھی جلد مٹ جائے گا، اس طرح کی دل خراش باتیں سن کر آپ ﷺ کو بڑا صدمہ پہنچتا تھا، اسی کے جواب میں سورۃالکوثر نازل ہوئی، جس میں آپ کو خوش خبری دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کثرتِ اولاد عطا فرمائی ہے اور مقطوع النسل آپ ﷺ نہیں، آپ ﷺ کا دشمن ہو گا۔

آنحضرت نے نوزائیدہ بچے کو آغوش میں لے کر پیار کیا اور داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت فرمانے کے بعد اپنی زبان ان کے منہ میں دے دی، ننھے حسنؓ اسے چوسنے لگے، اس کے بعد آپ نے دعا کی۔ ولادت کے ساتویں دن سرکار کائنات ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے عقیقہ فرمایا اور بال منڈوا کر اس کے ہم وزن چاندی صدقہ کی ۔

حضرات حسنینؓ کی ذات گرامی مجمع الفضائل تھی، لیکن آنحضرت ﷺ کی غیر معمولی محبت وشفقت آپ کی فضیلت کا نمایاں باب ہے، کتب احادیث وسیر کے ابواب الفضائل ان دونوں کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں۔ان مشترک فضائل کے علاوہ حضرت حسنؓ کے کچھ امتیازی فضائل الگ ہیں، جو انھیں حضرت حسینؓ سے ممتاز کرتے ہیں، ان فضائل میں سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق پیشن گوئی فرمائی تھی کہ میرا یہ بیٹا سید ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے

گروہوں میں صلح کرائے گا، امیر معاویہؓ سے صلح کے وقت حضرت حسنؓ نے اس پیشین گوئی کی عملی تصدیق فرمائی۔ ایک موقع پر فرمایا کہ حسنؓ کو میرا علم عطا ہوا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت حسنؓ سے زیادہ مشابہت رکھنے والا کوئی نہیں تھا، حضرت حسنؓ رسول اکرم ﷺ سے چہرے سے سینے تک اور سیدنا حسینؓ سینے سے قدموں تک مشابہہ تھے۔آنحضرت ﷺ کو حضرت حسنؓ کے ساتھ جو غیر معمولی محبت تھی وہ کم خوش قسمتوں کے حصّہ میں آئی ہوگی، آپ نے بڑے ناز و نعم سے ان کی پرورش فرمائی کبھی آغوشِ شفقت میں لیے ہوئے نکلتے، کبھی دوشِ مبارک پر سوار کیے ہوئے برآمد ہوتے ان کی ادنی ادنی تکلیف پر بے قرار ہو جاتے، بغیر حسنؓ کو دیکھے ہوئے نہ رہا جاتا تھا، ان کو دیکھنے کے لیے روزانہ فاطمہ زہرؓا کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نماز عشاء ادا کرنے کے لیے باہر تشریف لائے اور آپؐ اس وقت حضرت سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو گود میں اٹھائے ہوئے تھے۔آپؐ اس وقت آگے بڑھے (نماز کی امامت فرمانے کے لیے) اور ان کو زمین پر بٹھایا، پھر تکبیر فرمائی۔ آپؐ نے نماز کے درمیان ایک سجدہ میں تاخیر فرمائی تو میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ صاحب زادے (یعنی رسول کریم ﷺ کے نواسے) آپؐ کی پشت مبارک پر ہیں اور اس وقت آپ ﷺ حالتِ سجدہ میں ہیں۔ پھر میں سجدہ میں چلا گیا، جس وقت آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو لوگوں نے عرض کیا: آپ ﷺ نے نماز کے دوران

ایک سجدہ ادا فرمانے میں تاخیر کیوں فرمائی۔ آپؐ نے فرمایا: ایسی کوئی بات نہ تھی میرے نواسے مجھ پر سوار ہوئے تو مجھ کو (برا) محسوس ہوا کہ میں جلدی اٹھ کھڑا ہوں اور اُن کی مراد (کھیلنے کی خواہش) مکمل نہ ہو۔

آنحضرت ﷺ ایک دن خطبہ دے رہے تھے کہ حسنین کریمینؓ آگئے اور حسنؓ کے پاؤں کرتے کے دامن میں اس طرح الجھے کہ زمین پر گرپڑے، یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے خطبہ ترک کر دیا اور منبر سے اتر کر انھیں آغوش میں اٹھالیا اور منبر پر تشریف لے جاکر خطبہ شروع فرمایا۔

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت حسنؓ بن علیؓ کو اپنے مبارک کندھے پر اٹھایا ہوا تھا اور آپ ﷺ فرما رہے تھے، اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں پس تو بھی اس سے محبت فرما۔

(بخاری، مسلم)

سیدنا حسن مجتبیٰؑ نے سات سال اور کچھ مہینے تک اپنے نانا ﷺ کا زمانہ دیکھا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند نشین خلافت ہوئے، آپ بھی ذاتِ نبوی ﷺ کے تعلق کی وجہ سے حضرت حسنؓ کے ساتھ بڑی محبت فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ عصر کی نماز پڑھ کر نکلے، حضرت علیؓ بن ابی طالب بھی ساتھ تھے، راستے میں حضرت حسنؓ کھیل رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اٹھا کر کندھے پر بٹھالیا اور فرمانے لگے: قسم ہے،

یہ نبی کریم ﷺ کے مشابہہ ہے علی رضی اللہ عنہ کے مشابہہ نہیں ہے، حضرت علیؓ یہ سن کر ہنسنے لگے۔

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اپنے زمانہ میں حضرت حسنؓ کے ساتھ ایسا ہی محبت آمیز برتاؤ رکھا، چنانچہ جب آپؓ نے کبار صحابہؓ کرام کے وظائف مقرر کیے، تو گو حضرت حسنؓ اس صف میں نہ آتے تھے، لیکن آپ کا بھی پانچ ہزار ماہانہ مقرر فرمایا۔

خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ بن عفان نے بھی اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے پیش رو خلفائے راشدینؓ جیسا ہی شفقت پر مبنی رویہ رکھا۔ صدیقیؓ اور فاروقیؓ دور میں حضرت حسنؓ اپنی کمسنی کے باعث کسی کام میں حصہ نہ لے سکتے تھے، حضرت عثمانؓ کے عہد میں پورے جوان ہو چکے تھے: چنانچہ اسی زمانہ سے حضرت حسنؓ کی عملی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، اس سلسلے میں سب سے اول طبرستان کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے، یہ فوج کشی سعید بن العاص کی ماتحتی میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد جب حضرت عثمانؓ بن عفان کے خلاف فتنہ اٹھا اور باغیوں نے قصرِ خلافت کا محاصرہ کر لیا، تو حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادوں حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو حضرت عثمانؓ بن عفان کی حفاظت کے لیے بھیج دیا؛ چنانچہ انھوں نے اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے اس خطرے کی حالت میں نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ حملہ آوروں کی مدافعت کی اور باغیوں کو اندر گھسنے سے روک رکھا، اس مدافعت میں خود بھی زخمی ہوئے، سارا بدن خون سے رنگین ہو گیا؛ لیکن حفاظت کی یہ تمام تدبیریں

ناکام ثابت ہوئیں اور باغی چھت پر چڑھ کر اندر گھس گئے اور حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا، حضرت علیؓ بن ابی طالب کو شہادت کی خبر ہوئی توآپ نے جوشِ غضب میں حضرت حسنؓ کو تھپڑ مارا کہ تم نے کیسی حفاظت کی کہ باغیوں نے اندر گھس کر عثمانؓ کو شہید کر ڈالا۔

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ حضرت علیؓ حضرت حسنؓ کے مشوروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے ،ان کے ہر مشورے میں صلح جوئی کا پہلو کارفرما ہوتا تھا ،یہی وجہ تھی کہ بعض مشورے خلیفہ راشد حضرت علیؓ نے اپنی دوراندیشی کی وجہ سے رد بھی فرمائے۔پورے عرصہ خلافت میں حضرت حسنؓ اپنے والد بزرگوارؓ کے شانہ بشانہ امور خلافت کو دیکھتے رہے۔خلافت کے پانچویں سال عبدالرحمٰن ابن ملجم نے حضرت علیؓ بن ابی طالب پر قاتلانہ حملہ کیا،زخم کاری تھا اس لیے نقل وحرکت سے معذور ہو گئے تو جمعہ کی امامت حضرت حسنؓ کو تفویض فرمائی۔ بعض لوگوں نے آپؓ سے حضرت حسنؓ کی آئندہ جانشینی اور خلافت کے بارہ میں عرض کی توآپؓ نے فرمایا: نہ میں حکم دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں۔

امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست برداری کا فیصلہ :

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد تقریباًچھ ماہ مسند خلافت پر متمکن رہے پھر چند شرائط پر امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست برداری کا فیصلہ کر لیا اور یہ شرائط عبد اللہ بن عامر کے ذریعہ سے امیر معاویہؓ کے پاس بھجوادیں۔

جس وقت سیدنا حسنؓ نے اپنے شرائط امیر معاویہؓ کے سامنے پیش کرنے کے

لیے بھیجی تھیں، اسی دوران امیر معاویہؓ نے بھی ایک سادہ کاغذ، اپنی مہر لگا کر حسنؓ کے پاس بھیجا تھا کہ اس پر وہ جو شرائط چاہیں تحریر کر دیں سب منظور کر لی جائیں گی۔اس کے بعد حضرت حسنؓ کوفہ تشریف لے گئے امیر معاویہؓ یہاں آکر آپؓ سے ملے اور دونوں میں صلح نامہ کی شرائط کی زبانی بھی تصدیق و توثیق ہو گئی۔ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت حسنؓ سے درخواست کی کہ وہ برسر عام دست برداری کا اعلان کر دیں، چنانچہ حضرت حسنؓ نے مجمع عام میں تقریر کی اور واضح فرمایا: یہ امر (خلافت) جو ہمارے اور امیر معاویہؓ کے درمیان متنازع فیہ ہے، یا وہ اس کے حق دار ہیں یا میں، دونوں صورتوں میں محمد ﷺ کی امت کی اصلاح اور تم لوگوں کی خوں ریزی سے بچنے کے لیے میں اس سے دست بردار ہوتا ہوں۔اس طرح آنحضرت ﷺ کی یہ پیشین گوئی پوری ہو گئی کہ میرا یہ بیٹا سید ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں میں صلح کرائے گا۔

(بخاری، حدیث 2704)

خوارج اس صلح کو جس نظر سے دیکھتے تھے اور اس کے بارے میں ان کے جو جذبات تھے ان کا اندازہ ان خطابات سے ہو سکتا ہے جس سے وہ اس سردار خلد برین کو مخاطب کرتے تھے: مذل المومنین مسلمانوں کو رسوا کرنے والے۔ مسود وجوہ المسلمین مسلمانوں کو روسیاہ کرنے والے۔ عار المومنین مسلمانوں کے لیے باعث شرمندگی (نعوذ باللہ)

دست برداری کے بعد حضرت حسنؓ آخری لمحہ حیات تک اپنے جد

بزرگوار ﷺ کے جوار میں خاموشی وسکون کی زندگی بسر کرتے رہے۔امیر معاویہؓ نے ایک شخص سے آپ کے حالات دریافت کیے تو اس نے بتایا: فجر کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک مصلیٰ پر بیٹھے رہتے ہیں، پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اورآنے جانے والوں سے ملتے ہیں، دن چڑھے چاشت پڑھ کر امہات المومنین کے پاس سلام کرنے کو جاتے ہیں، پھر گھر سے ہو کر مسجد چلے آتے ہیں۔مکہ کے زمانہ قیام میں معمول تھا کہ عصر کی نماز خانہ کعبہ میں باجماعت ادا کرتے تھے نماز کے بعد طواف میں مشغول ہو جاتے تھے۔امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ سیدنا حسنؓ نے متعدد حج پیدل کیے، فرماتے تھے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حجاب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ملوں اور سواری پر سوار ہوں۔

50ھ میں کسی نے آپ کو زہر دے دیا، یہ سم قاتل تھا، جس کی وجہ سے قلب وجگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرنے لگے، جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور زندگی سے مایوس ہو گئے، تو حضرت حسینؓ کو بلا کر ان سے واقعہ بیان کیا، انھوں نے زہر دینے والے کا نام پوچھا، فرمایا: نام پوچھ کر کیا کرو گے؟ عرض کیا: قتل کروں گا، فرمایا: اگر میرا خیال صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ بہتر بدلہ لینے والا ہے اور اگر غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی بے گناہ پکڑا جائے اور زہر دینے والے کا نام بتانے سے انکار کر دیا۔(زہر کے متعلق عام طور پر غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ امیر معاویہؓ کے اشارہ سے دیا گیا تھا، جو سراسر غلط ہے۔)

اس واقعے کے تیسرے دن ضروری وصیتوں کے بعد اس دنیائے فانی کو خیر باد کہا۔وفات کے وقت 47 یا 48 سال کی عمر تھی۔ سعید بن العاصؓ

عامل مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور لاش مبارک جنت البقیع میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے پہلو میں سپرد خاک کی گئی۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نہایت کثرت کے ساتھ شادیاں کیں اور اسی کثرت کے ساتھ طلاقیں دیں۔ یہ روایتیں مبالغہ آمیز ہیں، اس کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کے کل دس اولا ہوئی اور یہ تعداد شادیوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شادیوں کی کثرت کی روایات مبالغہ سے خالی نہیں ہیں ۔بعض مصادر میں اُن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں بیٹوں کی تعداد 16 اور بیٹیوں کی تعداد پانچ لکھی ہے، جو چھ بیویوں سے تھیں۔ان کے علاوہ چار باندیاں بھی تھیں۔

حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ کی وفات:

حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ، جن کا اصل نام علی بن حسین بن علی بن ابی طالب تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑنواسے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔آپ رحمہ اللہ کی وفات صفر 94 یا 95 ہجری میں ہوئی۔آپ رحمہ اللہ کا شمار تابعین کے جلیل القدر علماء اور عابدین میں ہوتا ہے، اور آپ رحمہ اللہ کو ان کی عبادت گزاری اور تقویٰ کی وجہ سے "زین العابدین" (عبادت گزاروں کی زینت) کا لقب ملا۔ حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ کربلا کے واقعے میں موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اہل بیت کی نسل کو آگے بڑھانے کے لیے محفوظ رکھا، حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ کی زندگی علم کے حصول اور عبادت میں گہرائی کی بہترین مثال ہے۔ کربلا کے المناک واقعے کے بعد آپ رحمہ اللہ نے صبر اور استقامت کا مظاہرہ کیا اور

اپنی زندگی کو دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا، یہ واقعہ اہل بیتِ اطہار کی فضیلت اور ان کے علمی و روحانی مقام کو ظاہر کرتا ہے۔ آپؒ نے اپنی زندگی علم کے حصول، عبادت اور لوگوں کی رہنمائی میں گزاری۔ آپؒ اپنے زمانے کے سب سے بڑے علماء اور فقہاء میں سے تھے۔ آپؒ سے بہت سی احادیث روایت کی گئی ہیں اور آپؒ نے بہت سے شاگردوں کو علم سکھایا۔ آپؒ کی زندگی تقویٰ، زہد اور اللہ تعالیٰ سے گہرے تعلق کی مثال تھی۔

آپؒ کی وفات صفر 94 ہجری یا 95 ہجری میں مدینہ منورہ میں ہوئی اور آپؒ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ آپؒ کی وفات سے امتِ مسلمہ ایک عظیم عالم اور عابد شخصیت سے محروم ہو گئی۔ آپؒ کی تعلیمات اور دعائیں آج بھی مسلمانوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔ **(تہذیب التہذیب، جلد 7، صفحہ 303)**

فقہی مسائل

مسئلہ: کسی دن، شخص یا چیز کو منحوس سمجھنا خلافِ شریعت اور بے اصل ہے۔ **(آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد اول صفحہ 358-359)**

مسئلہ: صفر المظفر کے مہینے کو منحوس سمجھنا قرآن و سنت کے خلاف ہے۔ شریعت نے اس مہینے کو صفر المظفر (کامیابیوں والا مہینہ) اور صفر الخیر (بھلائی والا مہینہ) قرار دیا ہے۔ **(آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد اول صفحہ 360)**

مسئلہ: ماہ صفر کے آخری بدھ کو حضور ﷺ کے مرض کی ابتدا ہوئی تھی۔ **(طبقات ابن سعد صفحہ 206)**

مسئلہ: اس دن کو تہوار کے طور پر منانا یہود و ہنود سے مشابہت کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے۔ **(فتاویٰ رشیدیہ صفحہ 15، فتاویٰ رضویہ، احکام شریعت جلد 3 صفحہ 183، بہار شریعت جلد 6 صفحہ 242)**

مسئلہ: اس دن گھی، چینی یا گڑ وغیرہ کی روٹیاں بنا کر تقسیم کرنا اور اس کی نسبت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف کرنا بے اصل اور خلاف شریعت ہے۔

مسئلہ: اس دن اہتمام سے سیر و تفریح کے لیے جانا اور اس کی نسبت حضور اکرم ﷺ کی طرف کرنا بے اصل اور خلاف شریعت ہے۔

مسئلہ: اس دن تعلیمی اداروں میں اس بناء پر چھٹی کرنا کہ یہ تہوار کا دن ہے، ناجائز ہے۔

مسئلہ: اس دن خوشی منانا اور مٹھائی تقسیم کرنا خلاف شریعت ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ صفحہ 412 جلد 15)

مسئلہ: صفر کے مہینے میں شادی بیاہ وغیرہ کرنے کی کوئی ممانعت نہیں۔ یہ سمجھنا کہ اس مہینے میں شروع کیا جانے والا کام بے برکت ہوتا ہے خلافِ شریعت ہے۔ **(آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد اول صفحہ 360)**

مسئلہ: سوئم، چہلم اور برسی وغیرہ منانا بدعت ہے۔

(فتاویٰ بزازیہ، شامی جلد 2 صحفہ 240، فتاویٰ محمودیہ جلد اول صفحہ 228)

وما توفیقی إلا باللہ

قارئین کرام کی توجہ کیلئے

موجودہ معاشرے اور نوجوان نسل کے اذہان کے تناظر میں دینی رہنمائی کیلئے وقت کی تنگی اور مطالعہ کی کمی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ مختصر رسالے شائع کیے جاتے ہیں۔ ان رسالوں کی اشاعت کا مقصد گھر گھر اور در در دینی معلومات کو پہنچانا اور خالصتاً للہ امت کی اصلاح مطلوب ہے۔

اس نیک مقصد میں آپ بھی معاون بن کر حسب توفیق اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ ماہانہ ایک ہزار (1000/-) روپے سے باقاعدہ ممبر شپ حاصل کر سکتے ہیں۔ آپ کے دیے ہوئے ایڈریس سے مقررہ تاریخ اور مقررہ وقت پر ہمارا نمائندہ رسید کے ساتھ وصول کرتا رہے گا۔

قارئین کرام اپنی استعداد کے مطابق ایک ہزار سے کم اور زیادہ رقم سے بھی ممبر شپ حاصل کر سکتے ہیں، نیز کل سالانہ رقم یکمشت بھی ادا فرما سکتے ہیں۔

اس کے عوض شائع ہونے والا ہر رسالہ (جو مختلف موضوعات پر ہوتا ہے) بذریعہ ڈاک آپ کو ارسال کیا جاتا رہے گا۔

قارئین کرام اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کیلئے اپنی خواہش کے مطابق عامۃ الناس کی دینی رہنمائی کا فریضہ ادا کر سکتے ہیں۔

آپ جامعہ بنوریہ عالمیہ کے دیے ہوئے آن لائن اکاؤنٹ میں بھی رقم جمع کروا کر بینک سلپ دے کر رسید حاصل کر سکتے ہیں۔

الملتمس: الجامعۃ البنوریۃ العالمیۃ سائٹ کراچی

اپیل!

بحمد اللہ تعالیٰ اسوہ و صفحات اور مختلف موضوعات پر مشتمل اصلاح امت کے عنوان سے پابندی سے آنے والے رسالے عوام الناس میں پذیرائی حاصل کر رہے ہیں۔ اس کار خیر میں حصہ ڈالنے کے لیے قارئین سے اپیل کی جاتی ہے کہ اپنی بساط کے مطابق اس کی نشر و اشاعت میں حصہ لیکر ثواب دارین حاصل کریں۔

رقم جمع کرانے کیلئے اکاؤنٹ

jamia binoria al-almia
A/C# 7160200000825
Askari Bank LTD

رابطہ کیلئے: مولانا محمد جنید صاحب

02132575228+02132575229
موبائل: 0322-2394550